جو تعلق نیکی سے باندھا جائے، حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سے قائم کیا جائے وہ نور سے تعلق قائم کرنا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 8؍دسمبر 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

گزشتہ خطبے میں میں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک اقتباس سے استنباط کرتے ہوئے میں نے یہ گزارش کی تھی کہ ان میں آنحضرت ﷺ کے نور ہونے کے مضمون کو صفات کی صورت میں پیش فرمایا گیا ہے اور ایک ایک کر کے ان تمام صفات کا ذکر فرمایا ہے جو اس مضمون کی مناسبت سے آپ نے پیش فرمائیں اور کہا کہ تمام صفات کا مجموعہ محمد رسول اللہ ﷺ کا وہ نور ہے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ میں نے یہ اشارہ کیا تھا کہ باقی آئندہ انشاء اللہ آئندہ خطبات کے سلسلے میں ان تمام صفات کا ذکر کر کے ان کی وضاحت کروں گا لیکن جب میں نے دوبارہ غور کیا تو مجھے خیال آیا کہ دراصل یہ تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مکمل بیان بن جائے گا اور ایک لمبا سلسلہ خطبات کا سیرت کے بیان پر وقف ہو تب جا کر یہ بات ختم ہو سکتی ہے کیونکہ کان خلقه القرآن (مسند احمد بن حنبل جلد ۸ حدیث نمبر: ۲۵۱۰۸) جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا خلق تو قرآن تھا اور قرآن کو بھی اللہ نے اپنا نور قرار دیا ہے اور آنحضرت ﷺ کو بھی نور قرار دیا ہے۔ پس تمام قرآن کے حوالے سے سیرت طیبہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ جس شان سے جلوہ گری کرتی ہے وہ مضمون تو عام حالات میں

انسان کے احاطۂ تصور میں بھی نہیں آ سکتا مگر جب غور کرے تو ضرور کچھ نہ کچھ ملتا ہے اور غور کرو اور محنت کرو تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ کچھ نہ کچھ عطا فرما دیتا ہے۔ پس اس پہلو سے اس وقت اس مضمون کا میں صرف اشارۃً ہی ذکر کرسکتا ہوں۔ آئندہ کبھی توفیق ملی اور آنحضرت ﷺ کی سیرت کے مضمون کو بطور سیرت کے خطبات میں بیان کرنے کا موقع ملا تو پھر انشاء اللہ اس مضمون کو وہاں اٹھاؤں گا۔ سیرت کے بغیر تو کوئی بات ہوتی ہی نہیں اس لئے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں کہہ رہا ہوں کہ میں سیرت کا بیان اب نہیں کررہا آئندہ کروں گا۔ میری مراد صرف اتنی ہے کہ سیرت کے عنوان کے تابع آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ پر بات کرنا ایک بہت ہی لمبی محنت کا تقاضا کرتا ہے اور بہت ہی لمبے سلسلہ خطبات کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر ویسے جو بات بھی کی جائے اس میں سیرتِ طیبہ کا حوالہ تو لازم ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی صفات حسنہ کے بغیر تو کوئی بھی انسانی زندگی کا مضمون مکمل ہو ہی نہیں سکتا خواہ زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو۔

پس اس وضاحت کے بعد اب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ہی حوالے سے اس مضمون کا خلاصہ پیش کر دیتا ہوں جو پچھلے خطبہ میں بیان کیا۔ یعنی اگر نور کا لفظ سمجھنا ہے تو سیرت طیبہ کے ہر پہلو کو دیکھو۔ اس سیرت طیبہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا ہر پہلو اپنا ایک نور کا رنگ رکھتا ہے مگر دوسرے پہلو کے مقابل پر جدا بھی دکھائی دیتا ہے اور ایک تیسرے پہلو کے مقابل پر پھر اس سے اور الگ دکھائی دیتا ہے لیکن اپنی ذات میں ہر ایک نور ہے اور جب ان سب کا اجتماع ہوتا ہے، یہ نور ایک مشعل میں اکٹھے ہو جاتے ہیں تو پھر جو روشنی پیدا ہوتی ہے وہ ان نوروں کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہے اور آخری صورت کو نور کہا جاتا ہے۔ پس کسی کا نور اگر روشن ہونا ہو تو صفات اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی ذات میں جاری کرنے اور اسے اپنانے سے ان سے محبت کرنے اور انہیں گلے اور سینے سے لگانے سے ہی پیدا ہوسکتا ہے مگر یہ باتیں انشاء اللہ اس خطبے کے دوران یا بعد میں اور مواقع پر انشاء اللہ کچھ نہ کچھ پیش کرتا رہوں گا۔ خلاصہ یہ ہے:

ے آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتلایا ہم نے (درثمین:16)

اسلام ہی ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں تم نور خدا پاؤ گے

اور اسلام اور آنحضرت ﷺ کے عشق میں لکھی ہوئی یہ نظم دو الگ الگ چیزوں کے طور پر پیش نہیں کرتی۔ آنحضورؐ اور اسلام کے حوالے آپس میں اس طرح مل گئے ہیں کہ ایک ہی وجود کے گویا دو نام رکھ کر بات کی جا رہی ہو، فرماتے ہیں:

آج ان نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں
دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے (درثمین:16)

پس وہ روشنی جس کی بات میں کر رہا تھا اب پھر کر رہا ہوں وہ تمام صفات حسنہ سے محبت اور تمام صفات حسنہ کو اپنانا ہے۔ یہ نہیں آپ کہہ سکتے کہ کچھ صفات ہم چھوڑ دیں گے تو ہم وہ مثال بن جائیں گے جس کا قرآن کریم میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس مثال میں تمام صفات میں سے کچھ نہ کچھ پانا لازم ہے اور اس کے بغیر ''معہ'' کا مقام عطا نہیں ہو سکتا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو نور پائے، وہ فرماتے ہیں کہ اسلام سے پائے اور محمد رسول اللہ ﷺ سے پائے، آپؑ فرماتے ہیں:

دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
جب سے یہ نور ملا نور پیمبرؐ سے ہمیں (درثمین:16)

یہاں جا کے بات کھول دی کہ یہ محمد مصطفی ﷺ ہی کے نور سے ملا ہے۔ ''ذات سے حق کی وجود ملایا ہم نے'' آنحضرت ﷺ کے صلہ ہونے کو اس سے بہتر الفاظ میں بیان نہیں فرمایا جا سکتا۔ آپؐ وسیلہ کیسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور بندے کے درمیان وہ کیسا جوڑ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ قائم فرماتے ہیں۔ اس جوڑ کی تشریح ہے کہ:

جب سے یہ نور ملا نور پیمبر سے ہمیں
ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفیٰ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے (درثمین:16)

بے اختیار درود اٹھتا ہے پھر، بے اختیار دل سے سلام اٹھتا ہے اور اس وجود سے جس نے کچھ پایا ہو۔ فقیر کے دل سے بھی دعائیں نکلتی ہیں مگر جب خیرات ملتی ہے تو دعائیں نکلتی

ہیں۔ بے اختیار، بے ساختہ پھوٹنے والا درود ایک ایسے دل سے نکلا ہے جس نے فیض پایا اور یہ کہتا ہے کہ:

؎ دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے

تو درود سے پہلے کچھ تیاری بھی تو ہونی چاہئے اور درود کی حکمت یہ ہے کہ انسان اپنی ذات میں محمد رسول اللہ ﷺ کا احسان ایک تجربے کے طور پر محسوس کرے ورنہ کروڑ بار بھی ایک شخص دن رات درود پڑھتا رہے اس کے کچھ بھی معنی نہیں۔ درود کا تعلق احسانات سے ہے اگر احسانات سے تعلق نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ پر سب نبیوں سے زیادہ درود بھیجنے کا حکم نہ ملتا۔ براہ راست احسانات سے درود کا تعلق اس طرح ثابت ہے کہ انبیاءؑ کی مجلس میں سب سے بڑے محسن نبی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پھر آپ کے بعد اور آپ سے افضل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور درود نے دونوں کا رشتہ باندھ دیا۔ پس وہ جو محسن ہو اس پر درود پڑھا جاتا ہے مگر احسان ہو تو پھر درود دل سے نکلتا ہے ورنہ خیالی باتیں ہیں۔ ایک آدمی کسی امیر کو دیکھ کر یا کسی دنیا کی بڑی شخصیت کو دیکھ کر ویسے بھی دعائیں کر دیا کرتا ہے کہ اللہ کرم کرے بہت بڑا آدمی ہے۔ بہت لجاجت کی باتیں کر کے اس کا دل خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر کہاں وہ آواز، کہاں وہ آواز جو ایک بھوکے کو کھانا کھلانے کے نتیجے میں اس کے پیٹ سے نہیں اس کے دل سے اٹھتی ہے اور بے ساختہ اٹھتی ہے۔ وہ دعائیں رنگ ہی اور رکھتی ہیں۔ وہ دعائیں اشک بار ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ آہوں کی ہوائیں چلتی ہیں اور یہ ہے درود کا انداز جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوروں کے حوالے سے ہمیں سمجھا دیا۔ لازماً آپ نے بہت کچھ پایا ورنہ بے اختیار یہ بات نہ نکلتی:

؎ مصطفیٰ پر تیرا ہو بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے
ربط ہے جان محمدؐ سے میری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
(درثمین:16)

فرمایا جس نے خدا سے ملا دیا، جس سے ملنا خدا سے ملنا ہے اس سے ایک لمحہ بھی تعلق توڑو گے تو خدا سے تعلق ٹوٹے گا۔ پس بیک وقت محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق رکھنا اور اللہ تعالیٰ سے تعلق

رکھنا یہ شرک نہیں ہے بلکہ توحید کامل کا درس ہے۔اس میں چند شعروں میں سب مضامین اکٹھے کر دیئے ہیں ۔فرمایا اس لئے میرے دل سے دعا نکلتی ہے کہ اس وجود نے خدا سے ملا دیا اور جس وجود سے ملنا خدا سے ملنا ہو اس وجود سے ایک لمحہ بھی جدائی برداشت نہیں ہوسکتی کیونکہ جہاں جس پہلو سے آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق کاٹا اسی پہلو سے خدا سے تعلق کٹ جائے گا اور یہ کوئی فلسفیانہ بات نہیں ۔ایک اتنی گہری حقیقت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خبر دی کہ ماں سے بھی جو تعلق کاٹتا ہے اس سے خدا تعلق کاٹ لے گا کیونکہ رحمی رشتے کے ذریعے خدا سے تعلق قائم ہوتا ہے اور رحم کا تعلق اللہ کی ذات کی صفت رحمانیت سے بھی ہے۔پس اگر عام ماؤں سے تعلق کاٹنے سے یا ماؤں سے پیدا شدہ رشتوں سے تعلق کاٹنے سے اللہ سے تعلق کٹ جاتا ہے تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے ادنیٰ سا تعلق کاٹنے سے بھی کیا کچھ نہ ہوگا۔لازماً وہیں سے علیحدگی کا مضمون شروع ہو جاتا ہے اور علیحدگی میں یاد رکھیں کہ علیحدگی اس مقام تک محدود نہیں رہا کرتی جہاں سے علیحدگی شروع ہو۔ایک دفعہ جب تعلق کے بعد بے تعلقی ہو جائے تو پھر انسان اکھڑنے لگتا ہے اور ہر چیز اکھڑنے لگتی ہے ۔پس جانِ محمد ﷺ سے ایک دفعہ ربطہ ہو چکا ہو تو اس علیحدگی کا تصور بھی انسان کے دل میں نہیں آسکتا۔ورنہ جس طرح جلد کو مائع کھدی ہو جانے کے نتیجے میں کاغذ چھوڑتا ہے جب ایک دفعہ چھوڑنا شروع کرے تو پھر چھوڑتا چلا جاتا ہے۔جہاں سر میں گنج شروع ہو جائے پھر وہ باقی بال بھی گرنے لگ جاتے ہیں۔جہاں دیواریں اکھڑنے لگیں تو پھر عمارت ہی اکھڑ جایا کرتی ہے ۔تو ربط کے بعد بے ربطگی بہت ہی بڑا ظلم ہے اور اس کے بعد پھر خطرہ ہے کہ انسان اپنی ہلاکت کی آخری منزل تک پہنچ جائے۔پس جو تعلق بھی نیکی سے باندھا جائے، جو تعلق بھی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے قائم کیا جائے وہ نور سے تعلق ہے۔جیسا کہ مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے واضح فرمایا ہے اور نور سے ایسا تعلق ہے جس کے چھپنے اور اس سے الگ ہونے کا پھر کوئی تصور نہیں پیدا ہوسکتا۔ہول اٹھنے چاہئیں دل میں کہ ایک تعلق قائم ہو اور پھر وہ علیحدہ ہو جائے کیونکہ آگے تنزل کی بہت راہیں ہیں جو اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (التین:6) تک بھی انسان کو پہنچا دیتی ہیں۔

بہت سے حوالے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے پیش کرنے ہیں اور اس حوالے سے بات کو اور زیادہ سمجھانا ہے مگر اب میں پہلے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی ایک

حدیث آپ کو سناتا ہوں جو صحیح بخاری کتاب الدعوات باب الدعائاذا نبتہ بالیل۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا کرتے اے اللہ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس کا نور ہے اور اسے قائم رکھنے والا ہے۔ پس جہاں جس حد تک نور سے تعلق ٹوٹا وہاں انسان ڈھے گیا، وہاں مسمار ہو گیا کیونکہ قیام کا تعلق آنحضرت ﷺ نے نور سے باندھا ہے۔ تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس کا نور ہے اور اسے قائم رکھنے والا ہے۔ یعنی صرف پیدا کرتے وقت تخلیق کے وقت ہی نور نے کارروائی نہیں کی بلکہ اس کو ہمیشہ قائم رکھنے کے لئے نور کے ساتھ اس کا ایک تعلق رابطہ ہے جو نہ ختم ہونے والا ہے۔

پھر فرمایا اے اللہ! تجھے ہی سب حمد زیبا ہے۔ سب تعریف اگر سجتی ہے تو تجھے سجتی ہے۔ تو حق ہے۔ تیرا وعدہ سچا ہے، تیری بات سچی ہے اور تجھ سے ملاقات برحق ہے اور جنت حق ہے اور آگ حق ہے اور قیامت حق اور سب نبی حق اور محمدؐ حق ہے۔ اے اللہ میں تیرے لئے فرمانبردار ہوا اور تجھ پر توکل کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیری طرف جھکا تیری ہی تائید سے مدمقابل کا سامنا کیا اور اپنے معاملے کا فیصلہ تیرے سپرد کیا۔ پس مجھے بخش دے جو میں پہلے کر چکا ہوں اور جو بعد میں سرزد ہو اور جو میں نے چھپایا اور جو میں نے ظاہر کیا اسے بھی بخش دے۔ تو ہی آگے بڑھانے والا اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

یہ دعا دراصل نور ہی کے حوالے سے کی جارہی ہے اور اس میں جگہ جگہ کھلے لفظوں میں کہے بغیر وہ حوالے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت ﷺ عرض کرتے ہیں مجھے بخش دے جو میں پہلے کر چکا ہوں اور جو بعد میں سرزد ہو۔ نور کا علم سے ایک تعلق ہے اور علم اور نور بعض پہلوؤں سے ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ پس آپ فرماتے ہیں کہ جو میں پہلے کر چکا ہوں مجھے تو اس کے متعلق بھی پورا علم نہیں کہ کوئی ایسی بات نہ ہو گئی ہو جو تیرے لئے ناپسندیدگی کا موجب ہو۔ مگر جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے وہ جواب آ چکا ہے کہ جو کچھ تو نے کیا، جو کچھ آئندہ کرے گا سب خدا کے نزدیک قبولیت کی جگہ پا چکا ہے اور مغفرت کی چادر نے ہر چیز کو ڈھانپ رکھا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے نور پانے کے لئے سب سے بڑا مقام عبودیت قرار دیا ہے۔ یہ حوالہ میں بعد میں آپ کے سامنے پیش کروں گا کیونکہ جب کہا جاتا ہے کہ نور کو پاؤ تو اس کے ذریعے بھی تو سمجھانے چاہئیں کہ کیسے اللہ کا

نور حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے سب ذرائع سے بڑھ کر سب سے اعلیٰ درجہ کا نور حاصل کرنے کے لیے عبودیت کا مقام ضروری ہے اور عبد ہونا سب سے بڑا کام ہے۔

اس پہلو سے یہ نمونے ہیں آنحضرت ﷺ کی عبودیت کے اور عبدیت کے کہ اپنے آپ کو مٹاتے چلے جاتے ہیں، کچھ بھی نہیں چھوڑتے۔ فرماتے ہیں جو کچھ میں نے کیا تو جانتا ہے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں میں سمجھتا ہوں مجھے اس کی بخشش طلب کرنی چاہیے۔ یعنی یہ نہیں فرماتے کہ جو کچھ میں نے کیا اچھی باتیں کی ہیں ان کی بھی جزا دے جو کمزوریاں کہیں رہ گئیں ہیں ان کو بخش دے بلکہ ساری زندگی کا ہر لمحہ بخشش کی چادر کے نیچے لانا چاہتے ہیں اور کسی ایک لمحے پر بھی خودسری نہیں، خود اعتمادی اس رنگ کی نہیں کہ گویا اس پر آدمی تکبر سے نظر ڈال سکے کہ وہ تو ٹھیک تھا۔ اب دیکھیں مقام نبوت اور دیگر مقامات کے فرق کیسے ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آخری لمحات میں یہ عرض کی تھی لا لی و علی اور مفسرین لکھتے ہیں کہ مراد یہ تھی کہ میں نے بہت سے نیک اعمال بھی کیے ہیں اور میں یہ نہیں کہتا کہ ان نیک اعمال کے بدلے مجھے بخش دے کیونکہ جو مجھ سے کمزوریاں سرزد ہوگئی ہیں ان کے مقابل پر ان کو لکھ کر برابر کر دے۔ یہ ایک بہت ہی عارفانہ دعا تھی۔ مگر اب دیکھیں آنحضرت ﷺ کی التجا جو ہر رات کو اٹھ کر خدا کے حضور کیا کرتے تھے، اپنی ساری زندگی کی نیکیوں کو کلیۃً مٹا ہوا دیکھ رہے ہیں اور یہ عرض کر رہے ہیں کہ ان پر اپنی بخشش کی چادر ڈال دے۔ میں نہیں جانتا میں نے کیا کیا ہے اور جس نے دیکھا ہو کہ ساری زندگی نیکی میں گزری ہے اور غلامی کی یہ شان ہے کہ اسے دیکھتے ہوئے بھی یہ جانتا ہے کہ محض اللہ کے فضل سے یہ توفیق ملی تھی اس لئے جو لغزش ہوئی ہے وہ میری کمزوری سے ہوئی ہے۔ یہ نکتہ ہے جو عارفانہ نکتہ ہے۔ محض ایک فلسفیانہ عجز نہیں ہے بلکہ عارفانہ عجز ہے۔ آنحضرت ﷺ سب سے بڑھ کر جانتے تھے کہ جو کچھ عطا ہوا ہے اللہ کے فضل سے عطا ہوا ہے پھر اسے اپنے کھاتے میں اپنی طرف کس طرح منسوب کر دیں۔ مگر اس فضل کے مقابل پر شکر میں کوئی کوتاہی ہوگئی ہو، اس فضل کے بہترین اور سب سے اعلیٰ درجے کے استعمال میں کمزوری ہوگئی ہو تو وہ اپنی طرف منسوب فرما رہے ہیں اور کہتے ہیں اس پر بخشش کی چادر ڈال دے اور جو آئندہ ہونے والا ہے اس کا کوئی حال معلوم نہیں۔ پس اللہ کے علم میں اللہ کے نور میں یہ ساری باتیں موجود ہیں۔ جو پہلی تھیں وہ بھی اور جو آئندہ آنے والی تھیں۔ وہ بھی۔

فرماتے ہیں اور جو میں نے چھپایا اور جو میں نے ظاہر کیا اس کے متعلق بھی میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں۔فرمایا اسے بھی بخش دے۔اب یہ بھی عجیب مضمون ہے، چھپایا اور ظاہر کیا۔حقیقت میں اللہ کے سامنے جو نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور:36) ہے کوئی چیز چھپ سکتی ہی نہیں۔ناممکن ہے کہ اس نور سے کوئی چیز چھپ جائے جس کا پردۂ نور ہے جو اس پردۂ نور کے پیچھے ایک مخفی نور ہے جس تک انسان یا کسی مخلوق کے تصور کی رسائی ممکن نہیں ہے۔اس سے کوئی چیز چھپ ہی نہیں سکی اور وہ ہر چیز سے چھپا ہوا ہے یعنی اپنی نور کی انتہائی صورت میں مقام تنزہ پر واقع ہے۔اس عرش پر واقع ہے جو مخلوق سے پرلی طرف ایسے مقام پر ہے یعنی اپنے مرتبے کے لحاظ سے اور اپنی لطافت کے لحاظ سے کہ وہاں رسائی ممکن نہیں ہے۔سب سے بڑی رسائی، سب سے اونچی رسائی ،سب سے اعلیٰ اور ارفع رسائی معراج کے وقت حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو نصیب ہوئی مگر ایک مقام پر جا کر وہاں ٹھہر گئے۔اس سے آگے توحید کامل کا وہ مقام ہے جس میں مخلوق کو خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ درجے کی ہو دخل نہیں ہے اور اسی کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقام تنزہ کا عرش فرمایا ہے۔فرمایا عرش کی تو بہت سی قسمیں ہیں۔آپؑ بیان بھی فرماتے ہیں لیکن ایک ہے مقام تنزہ کا عرش اس میں صرف خدا اور خدا کی ذات رہ جاتی ہے اور کچھ نہیں پہنچتا۔تو خدا تعالیٰ کی ذات سے وہ چونکہ ہر جگہ ہے، کوئی چیز مخفی نہیں اور بہت سے اس کے ایسے مراتب اور مقامات ہیں جو حقیقت میں ان گنت ہیں اور ان کا کوئی کنارہ نہیں ہے جس تک مخلوق کی پہنچ نہیں ہوسکتی خواہ وہ کیسا ہی ترقی کر لے تو اس لئے اس سے تو کچھ چھپ نہیں سکتا۔حضرت رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو میں نے چھپایا اور جو میں نے ظاہر کیا اسے بھی بخش دے۔تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے۔پس قیام کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی چیز کو ایک ہی جگہ ٹھہرائے رکھا جائے۔قیام کا یہ اگر مطلب ہے تو وہ غلط سمجھتے ہیں کیونکہ قیام سے مراد جمود نہیں ہے۔قیام سے مراد اپنی طاقتوں میں قائم رہنے والا جس سے کسی وجود کی طاقتوں میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ آئے۔مگر آنحضرت ﷺ کائنات کا جو نقشہ کھینچ رہے ہیں اس میں دو ہی باتیں بیان فرماتے ہیں، آگے بڑھانے والا اور پیچھے ہٹانے والا اور یہی ہر چیز کی حقیقت ہے۔کوئی چیز کسی مقام پر جامد نہیں ہے۔یا آگے بڑھ رہی ہے یا پیچھے ہٹ رہی ہے۔اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں یہ عرض کیا تھا اپنے رب سے کہ اس نور

سے میرا تعلق کبھی نہ ٹوٹے کیونکہ ٹوٹا تو پھر وہ سلسلہ ٹوٹتا چلا جائے گا۔ یا انسان آگے بڑھ سکتا ہے یا پیچھے ہٹ سکتا ہے۔

یہ سب کچھ کہنے کے بعد، یہ سب مناجات کرنے کے بعد آپؐ عرض کرتے ہیں تیرے سوا کوئی معبود نہیں لا الـه الا انـت اور توحید کی یہ ساری تصویر ہے جو کھینچی جارہی ہے۔ پس اپنی دعاؤں میں اس مضمون کو یاد رکھیں جو نور سے شروع ہوا ہے اور سارا سفر نور کا سفر ہے۔ اگر چہ بار بار لفظ نور استعمال نہیں ہوا مگر حقیقت میں توحید اور نور ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور اس پہلو سے اس توحید کی مثال تو دی جا سکتی ہے۔ یعنی تمثیل تو بیان کی جا سکتی ہے۔ وہ اپنی ذات میں کسی اور کو مکمل طور پر نصیب ہو ہی نہیں سکتی اگر ہو گی تو پھر شرک ہو جائے گا۔ پس اسی لئے مَثَلُ نُوْرِہٖ (النور: 36) فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ تمام صفات میں اس حد تک آگے بڑھے کہ ہر اس صفت کو جو انسان کی تشکیل میں خدا تعالیٰ نے ازل سے رکھی ہوئی تھی مگر جس کی طرف باشعور بڑھنا مقدر فرما دیا تھا۔ ہر ایسی صفت کو باشعور طور پر آگے بڑھ کر اپنا لیا اور ہمیشہ کے لئے اس میں اپنے وجود کو ضم کر دیا اور اسے اپنے وجود پر طاری کر لیا پھر آپؐ وہ نور بنتے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَثَلُ نُوْرِہٖ مگر اس کے باوجود وہ نور، اللہ نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنے نور کو مخلوق ہی قرار دیا ہے۔ فرمایا ہے جو وجود سب سے پہلے وجود مخلوق کیا گیا وہ میرا نور تھا۔ اب اس ضمن میں تخلیقِ نور میں سب سے پہلے ہونے سے کیا مراد ہے۔ یہ وضاحت کروں تو پھر اس کے بعد میں اگلے اقتباسات کی طرف متوجہ ہوں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی بات آنحضرت ﷺ کے متعلق لکھی ہے اور انہی احادیث پر وہ مبنی ہے جن میں آنحضورؐ کا سب سے پہلے وجود پذیر ہونا بتایا گیا ہے۔ اس سے عام طور پر جو صوفی مزاج لوگ لکھتے ہیں تو وہ یہی تصور پیش کرتے ہیں کہ جب کچھ بھی نہیں تھا تو گویا محمد رسول اللہ ﷺ کو بنا دیا گیا تھا۔ یہ درست نہیں ہے یہ غلط بات ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ جب انسان کے روپ میں پیدا ہوئے ہیں تو اس وقت معرض وجود میں آئے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ سب سے پہلے بنا گئے اس کا کیا مطلب ہے۔ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ ہر چیز جو انسان بنانا چاہتا ہے یا کوئی بھی خالق بنانا چاہتا ہے جب تک اس کا منتہیٰ اس کے ذہن میں نہ ہو اس کا آغاز بھی نہیں ہو

سکتا۔کوئی بھی انجینئر خواہ وہ عمارت کا نقشہ ہی تجویز کرے یا مثلاً انجینئر میں نے کہہ دیا ہے مگر اس کو آرکیٹیکٹ کہا جاتا ہے انگریزی میں، جو نقشہ بناتا ہے مگر آرکیٹیکٹ کے علاوہ انجینئرز بھی ہیں جو ڈیزائن کرتے ہیں ان سب چیزوں کو جو انہوں نے بنانی ہوں۔ جب تک آخری مقصد ذہن میں پوری طرح تشکیل نہ پا جائے وہ ڈیزائن شروع ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اگر آخری مقصد کی واضح موجودگی کے بغیر، واضح طور پر ذہن کے سامنے دکھائی دینے کے بغیر کوئی ڈیزائن کرنے والا ڈیزائن شروع کرے گا وہ ہر قدم پر غلطی کرے گا کیونکہ دو ہی طریق ہیں ایک انجام تک پہنچنے کے لئے۔ایک ہے آغازِ سفر سے پہلے آخری منزل کا پتا ہو اور یہ وہ طریق ہے جس کے نتیجے میں ہر حکیم، ہر صاحب فہم پہلے منزل کا تعین کرتا ہے پھر راستے ڈھونڈتا ہے اور پھر اگر اسے جغرافیہ پر عبور ہو اور دیگر صلاحیتیں موجود ہوں تو پھر اچھے راستے تراشتا ہے اور وہ بہترین رنگ میں سفر کرتے ہوئے اس منزل کو پہنچ جاتا ہے۔ایک وہ دیوانہ یا اندھا ہے جو بغیر نور کے سفر شروع کرتا ہے اسے آخری منزل کا پتا نہیں ہوتا۔وہ چلتا ہے کہیں تو پہنچ جائیں گے اور اگر سفر پہلے شروع ہو جائے اور بیچ میں خیال آئے کہ میں نے تو اس طرف جانا تھا تو سارے قدم غلط ہو گئے۔اس لئے اللہ کی طرف یہ بات منسوب ہو ہی نہیں سکتی۔بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ایک خیالی، ایک فرضی تعریف ہے نعوذ باللہ من ذالک اور جو ماننے والے ہیں صرف انہی کا کام ہے کہ اس کو مانتے چلے جائیں۔حالانکہ آنحضرت ﷺ کی تمام تعریفیں حق ہیں۔جیسا کہ اسی عبارت میں جو آپ کے سامنے پڑھ کر سنائی گئی ہے۔تمام باتوں کو حق کہہ کر سب سے آخر پر اپنے آپ کو حق فرمایا۔پس جو حق آخر پر تھا اس کا مطلب یہ نہ سمجھیں کہ اس سے آپ کا مقام مراد ہے سب نبیوں کے بعد مقام ہے بلکہ آخر اور اول بعض صورتوں میں ایک ہی چیز کے دو نام ہوا کرتے ہیں۔اگر آخری منزل ہو تو پھر اس کا پہلا قدم بھی اس آخری منزل کی تصویر بننے کے بعد اٹھتا ہے اس سے پہلے نہیں اٹھ سکتا۔پس وہ تمام زندگی کا سفر یا کائنات کی تخلیق کا سفر جب کہ ابھی زندگی بھی وجود میں نہیں آئی تھی، وہ سفر اگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے تصور کے بغیر شروع ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر حرف تھا، اللہ تعالیٰ کی تخلیقی طاقتوں پر حرف تھا کسی اور سمت میں جانے کے بعد پھر اس سمت میں لوٹنا پڑتا۔

پس اول سے لے کر آخر تک تمام صفات جو کائنات کو عطا کی گئیں ہیں ان کا ذرہ ذرہ اس

بات کے پیش نظر تھا کہ وہ وجود پیدا ہوگا جس نے بالآخر مجھ سے ملنا ہے اور میرا کامل عبد ہوگا اور وہ وجود پیدا ہوگا جس کے لوٹنے سے گویا ساری کائنات خدا کی طرف لوٹ گئی ہے۔ یہ معنی ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ: 157) کہ ہم نے اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔ ہم سب تو نہیں جاتے، مرکر جانا اور معنے رکھتا ہے۔ مگر اس کا اعلیٰ مفہوم یہ ہے کہ خدا نے ہر چیز کو اپنی ذات سے، اپنے نور سے پیدا کیا ہمیشہ کے لئے دور تر ہونے کے لئے نہیں، ہمیشہ کے لئے اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے نہیں بلکہ واپس اپنی طرف لے جانے کے لئے اور یہ واپسی کا سفر شعور کے بغیر ممکن نہیں تھا اور یہ شعور کا سفر ہر حالت میں ناقص تھا جب تک اپنے درجہ کمال کو نہ پہنچے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کا شعور کامل پیدا نہ ہو۔

پس اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اگر چہ اپنے آپ کو حق کہنے میں آخر پر رکھتے ہیں مگر وہاں اصل مراد وہی ہے جو دوسری احادیث سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ آخر ان معنوں میں ہوں جن معنوں میں اس آخر کا اول ہونا ضروری ہے۔ بیچ کی منازل کا اول ہونا ضروری نہیں کیونکہ بیچ کی منازل کو سامنے رکھ کر سفر کے رستے طے نہیں کیے جاتے یا کسی چیز کو ڈھالا نہیں جاتا۔ اگر ایک جمبو جیٹ بنانا مقصود ہو تو سب سے پہلے طے کیا جاتا ہے کہ بنانا کیسے ہے۔ کتنا لوڈ اٹھانے والا ہو، کس رفتار کی چیز چاہئے، کیا کیا اس میں حفاظتی اقدام ہونے ہیں۔ یہ جب تک نقشہ پہلے پیدا نہ ہو جمبو جیٹ بھی نہیں بن سکتا اور ہر دوسرا جہاز جو آپ کو دکھائی دیتا ہے خواہ وہ کسی نوعیت کا بھی ہو اس کا سفر شروع ہونے سے پہلے اس کی آخری تصویر لازماً واضح طور پر ایک بنانے والے کے ذہن میں ابھر آتی ہے۔ پھر وہ اس سے روشنی لیتا ہے۔ ہر قدم اٹھاتے وقت وہ تصویر سامنے رکھتا ہے۔ جب نٹ (Nut) بناتا ہے، جب بولٹس (Bolts) بناتا ہے، جب پر اور اس کے بعض حصے بناتا ہے، جب انجن کی تشکیل کرتا ہے، جب طاقت کے فیصلے کرتا ہے، کتنی طاقت دینی چاہیے تو شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر اور بسا اوقات شعوری طور پر اس جیٹ کا آخری بوجھ جو اس نے اٹھانا ہے وہ ہمیشہ اس کے پیش نظر ہوتا ہے۔ وہ پھر باقاعدہ بوجھ تقسیم کرتا ہے۔ جب کہتا ہے کہ اتنے مسافر لے کر اٹھے گا، اتنا انجن کا پٹرول اس کے لئے ضروری ہوگا اور آخری وزن اس کا یہ بنتا ہے تو ہر Nut جو وہ لگاتا ہے اس کی ضربیں اور تقسیمیں کر کے اس کے اوپر تقسیم کر کے بتاتا ہے کہ اس Nut پر کتنا بوجھ پڑے گا اور کتنے سال تک اڑے گا۔ اس کی عمر بھی طے کرتا ہے اور پھر سارے اربعے لگا کر اگر وہ Nut کو اس

کی طاقت کے مطابق بنائے جو حصہ رسدی اس پر پڑنے والی ہے تو وہ جہاز ٹھیک رہتا ہے اور اگر معمولی سا بھی حساب میں فرق پڑ جائے تو بالآخر اپنی مدت سے پہلے وہ حادثے کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ سب جہاز جو حادثے کا شکار ہوئے ان کے اوپر سائنس دانوں نے مکمل تحقیق کی تو آخر یہ پتا چلا کہ آخری بوجھ جو اس پر پڑنا چاہیے تھا اور پڑتا رہا اس میں فلاں پرزہ پورا کام نہ کر سکا کیونکہ اس میں اپنا حصہ رسدی بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں تھی۔

پس لوگ سمجھتے ہیں کہ فرضی باتیں ہو رہی ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے بنائے گئے ناممکن تھا کہ کائنات کا ایک ذرہ بھی بنایا جاتا جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشکیل اللہ کے حضور اس کے پیش نظر نہ ہوتی۔ ورنہ خدا کی خدائی باطل ہو جاتی ورنہ خدا ان دنیا کے انجینئروں سے بھی زیادہ کم فہم ہوتا جو ڈیزائن کے کمال سے پہلے ڈیزائن کی تعمیر کا سفر شروع کر دیتا ہے۔ پس ایک بھی دعویٰ آنحضرت ﷺ کی بڑائی کا فرضی دعویٰ نہیں، زبانی دعویٰ نہیں۔ گہرے حقائق پر مبنی اور گہرے حقائق پر مشتمل ہے اور ہمیں جس سفر کا حکم ملا ہے وہ اس نور کی طرف سفر کرنے کا حکم ہے۔ ساری زندگی ہم یہ سفر کرتے رہیں تو پھر بھی ہم میں سے اکثر ایسے ہیں جو اپنی بہت سی طاقتوں کو ضائع کر کے جتنا سفر ان کی استطاعت میں اللہ نے رکھا تھا اس کو بھی حاصل نہیں کر سکتے، اس منزل تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

اور محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ سفر اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کی شاہراہ کی طرف بڑھنے والی مختلف شاخیں ہیں۔ وہ سڑکیں ہیں جو اسی شاہراہ کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ اگر ہم اپنی حرکت اور سکون کو یہ سمت دے دیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف جاری ہے تو پھر ہم اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا سفر کر رہے ہیں، پھر ہمیں فکر کی کوئی بات نہیں، پھر ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ دراصل نقصان کے خیال سے نہیں پڑھا جاتا بلکہ یہ بتانے کے لئے پڑھا جاتا ہے کہ ہر چیز نے خدا کی طرف لوٹنا ہے، تم اس کی جدائی کا فکر کر رہے ہو اپنا نہیں سوچ رہے کہ تم گم شدہ ہو، تم ضائع شدہ ہو تم نے اپنے رب کی طرف واپس جانا ہے۔ لوگ اس بات کو تو بھول جاتے ہیں اور گم شدہ چیز پر پھونک مارنے کی خاطر کہ وہ ان کو مل جائے اِنَّا لِلّٰهِ پڑھ دیتے ہیں حالانکہ واضح مضمون یہ ہے کہ دیکھو جو تمہاری چھوٹی سی ملکیت تھی جب تک تمہاری طرف واپس نہ آجائے تم تسلی نہیں پاتے۔ تم بھی تو

کسی کی ملکیت ہو۔اس وجود کی تسلی کا سامان کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور پھر کھو دیا اور واپس لوٹو اس کی طرف جو تمہارا منتظر ہے۔

یہی وہ مضمون ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے ایک گم شدہ اونٹنی کی مثال دے کر بیان فرمایا ہے۔یعنی ایک عجیب بات ہے انسان سوچتا ہے کہ اللہ کو ہماری کیا انتظار ہے۔اگر اس کو انتظار نہ ہوتا تو اِنَّا لِلّٰهِ کا مضمون بے معنی ہوتا اور اگر اس کو ہمارا انتظار نہ ہوتا تو پھر تخلیق کائنات بے معنی ہو جاتی، بالکل باطل اور بے مقصد ہوتی۔پس آپؐ نے ایک اونٹنی کی مثال دے کر اسے خوب کھول دیا۔فرمایا اللہ تعالیٰ کو اپنے اس بندے کی توبہ سے جو گناہوں کی دنیا میں کھو گیا ہو اور پھر توبہ کر کے خدا کی طرف واپس آئے اس سے بہت خوشی ہوتی ہے جتنی ایک ایسے مسافر کو اپنی گم شدہ اونٹنی پانے سے خوشی ہوتی ہے جو تپتے ہوئے لق و دق صحراء میں کسی ایک درخت کے سائے میں دوپہر گزارنے کے لئے لیٹا ہو،اس کی آنکھ لگ جائے اور اس کی اونٹنی جس پر اس کا پانی،اس کا سارا سامان خورد و نوش ہر چیز ہو وہ جنگل میں کھو جائے۔جو اس کا حال ہوگا اور جیسی اس کی طلب ہوگی اس کا اندازہ کرو اور جب وہ کلیۃً مایوس ہو چکا ہو تو شام کو وہ دیکھے کہ وہ اونٹنی افق کی طرف سے آتی دکھائی دے رہی ہے جیسی خوشی اس شخص کو اپنی گمی ہوئی اونٹنی کو پالینے سے ہوتی ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اپنے کھوئے ہوئے بندے کو دوبارہ پا کر خدا کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

پس جتنی طلب آپ کو ہونی چاہئے اس کا اندازہ کریں جو نہیں ہے اور خدا کو طلب ہے۔ جس نے آپ کو پیدا کیا وہ چاہتا تو آپ کو زبردستی اپنی طرف لوٹا سکتا تھا مگر اس دنیا میں اس طرح آپ کو کھلا چھوڑ دیا کہ اس کی پیدا کردہ چیزوں کے حسن میں تو آپ کھو جاتے ہیں خالق کی طرف دھیان نہیں جاتا۔یہ مضمون ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے اس تمثیل کے ذریعے ہمیں سمجھایا۔پس اس کا نور کے ساتھ کیا تعلق ہے۔نور کے ساتھ واضح تعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے اور پھر فرمایا کہ میں زمین و آسمان کا نور ہوں اور پھر فرمایا کہ میری ہی طرف تمہیں لوٹنا ہے۔اب یہ سفر نور کے رستے سے ہونا چاہئے نور پر بیٹھ رہنے سے نہیں۔بلکہ نور کے وسیلے سے۔

پس اگر کوئی شخص حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے نور کا عاشق ہو کر وہیں بیٹھ رہتا ہے تو

وہ مشرک ہے اگر وہ اس نور کے حوالے سے سفر شروع کرتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ:

جب سے یہ نور ملا نور پیمبرؐ سے ہمیں

ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے (درثمین:16)

تو اس میں شرک کا شائبہ تک نہیں ہے۔ وہی کامل موحد ہے اور یہی حال خدا تعالیٰ کی دنیا میں جلوہ گری کا ہے۔ ہر چیز اس نے پیدا کی ہے وہ خدا کے اصل نور کا ایک پرتو ہے جو نور کی صورت میں آپ کو دکھائی دیتا ہے۔ اگر اس نور پر بیٹھ رہیں، اس سے محبت کریں اور پس پردہ نور جو ہے جس کی جلوہ گری سے دراصل وہ نور کا پردہ بنایا گیا ہے غافل رہیں تو پھر آپ نے اپنے سفر کا مقصد کھو دیا اور خدا تعالیٰ منتظر ہے کہ آپ دیکھیں، ہر طرف نور کا جلوہ دیکھیں اور خیال اس خالق و مالک کی طرف جائے جو سب کے اندر تہہ بہ تہہ آخری صورت میں جلوہ گر ہے جس کی وجہ سے ہر چیز کو نور عطا ہوا ہے اور نور دکھائی دیتا ہے۔ اگر آپ اس بات کو نہ سمجھیں تو دنیا کی ہر لذت ایک شرک کی طرف لے جانے والی چیز ہے اور جونہی لذت پیدا کرنے والے کا خیال آتا ہے وہیں یہ شرک توحید میں بدل جاتا ہے۔ پس توحید اور شرک کے درمیان ایک پل صراط ہے، بہت ہی باریک فرق ہے۔

اور جہاں تک نور کا تعلق ہے آپ اس بات کو اگر ٹھہر کر، تسلی سے، غور کر کے دیکھیں تو آپ ایک اور بات پا کر حیران رہ جائیں گے اور ششدر رہ جائیں گے کہ اگر خدا ہی کے نور سے جو اصل نور ہے جس کو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ ہر پردۂ نور پیدا ہوا ہے جو خدا کی طرف لے جانے والا ہے تو وہ ہر پردہ بھی ہمارے نقطۂ نگاہ سے لامحدود ہونا چاہئے کیونکہ جو لامحدود چیز کوئی چیز پیدا کرتی ہے اس میں لامحدودیت کی صفات دکھائی دیتی ہیں۔ اس پہلو سے اگر آپ سائنس کے سفر کا مطالعہ کریں تو یہ دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے کہ خدا تعالیٰ کی تخلیق کے جس ذرے پر بھی سائنس دانوں نے غور شروع کیا ہے ان کو کبھی اس کا آخری کنارہ نہیں ملا۔ ہر سفر لامتناہی سفر ہے حالانکہ یہ پردۂ نور کا سفر ہے۔ خود نور ابھی اس سے پرے وراء الوریٰ کہیں اور ہے لیکن جو کچھ نور کا پردہ اس نے ڈالا ہے وہ پردہ بھی لامتناہی ہے۔

جتنا بھی سائنسی سفروں کا مطالعہ کرنے کی مجھے توفیق ملی ہے کوئی ایک بھی ایسا سفر میرے علم

میں نہیں آیا جس میں سائنس دانوں نے یہ کہا ہو کہ اس چیز کا آخری کنارہ ہمیں میسر آ گیا ہے اب اس مضمون پر اور کچھ نہیں رہا۔اس کے بالکل برعکس تمام سائنس دان جو صاحب فہم اور صاحب ادراک ہوں جن کو حقیقت فہمی کا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہو اور اکثر سائنس دان ایسے ہی ہیں۔شاید ہی کوئی متکبر ہو مگر میرے علم میں ایسا کوئی متکبر نہیں آیا جس نے یہ کہا ہو کہ ہم نے اس چیز کی تحقیق کرتے کرتے یہاں پہنچ کر اس مضمون کو ختم سمجھا ہے اس سے آگے کچھ نہیں ہے۔ہاں یہ سب کہیں گے کہ جب ہم یہاں پہنچے تو جتنے دروازے ہم نے کھولے تھے اس سے اور زیادہ دروازے دکھائی دیئے ہیں اور اب ہمارا تنہا کام نہیں اور ٹیمیں شامل ہونی چاہئیں اور محققین ہونے چاہئیں جو کوئی اس قفل کو کھولے اور اس دروازے کا سفر شروع کردے یعنی جس طرف وہ دروازہ کھلتا ہے۔یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے اس لئے سائنس کی ترقی نے سائنس دانوں کی تعداد کم نہیں کی بڑھائی ہے اور بے شمار بڑھتی ہوئی تعداد کے باوجود ان کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ہر علم میں اور شاخیں نکلتی چلی آ رہی ہیں۔ہر شاخ کے لیے مزید خدمتگار اور تحقیق کرنے والے میسر آنے چاہئیں۔اپنے چھوٹے سے تجربے سے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ انگلستان آنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ یہ لوگ تو اسلام کی تحقیق کے نام پر ہر جگہ عیوب تلاش کرتے پھرتے ہیں اور جہاں اپنے مطلب کی بات ملے وہاں اسے اچھال کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔قرآن کے اوپر ان لوگوں نے تفسیریں لکھی ہوئی ہیں اپنی طرف سے قرآن کے اوپر جرح وقدح کی ہوئی ہے مگر آج تک مجھے کوئی مسلمان نہیں دکھائی دیا سوائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جس نے اس گہری نظر سے بائبل کا مطالعہ کیا ہو اور بائبل پر تحقیق کی ہو اور جہاں تک بائبل کی تفاسیر کا تعلق ہے مجھے تو کبھی کوئی تفسیر نظر نہیں آئی جو کسی مسلمان نے لکھی ہو یا کسی غیر نے لکھی ہو اور وہ بائبل کی تفسیر ہو۔تو اگر ان کو حق ہے کہ اندھا ہونے کے باوجود نور کی تفسیر لکھنے کی کوشش کریں تو ہمیں نور یافتہ ہونے کے باوجود نورِ کامل سے فیض پانے کے باوجود کیوں حق نہیں بلکہ ہم پر تو فرض ہے کہ ان کی بائبل کی تفسیریں لکھیں اور جن پہلوؤں کو یہ اندھیروں کے طور پر پیش کرتے ہیں ان سے پردے اٹھائیں اور بتائیں کہ یہ بھی اسی نور کا فیض تھا جس سے قرآن جاری ہوا ہے۔

پس اس نقطۂ نگاہ سے میں نے ایک ریسرچ ٹیم بنائی۔چند لوگوں سے شروع ہوا سفر اور چند معین

نکات ان کے سامنے رکھے اور آخری منزل جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے آخری منزل ہر ایک چیز کی طیہونی ضروری ہے ورنہ وہ سفر ٹامک ٹوئیوں کا سفر ہوگا۔ اندھا جیسے لاٹھی کے ذریعے چلتا ہے ویسا سفر ہوگا۔ میں نے ان کے سامنے آخری بات یہی رکھی تھی کہ جو چند شاخیں تھیں ان میں سے ایک شاخ یہ بیان کی تھی کہ آپ نے بالآخر بائبل کے مفسر بننا ہے اور بائبل کے مفسر قرآن کی روشنی میں بننا ہے اور بائبل کا مفسر اس رنگ میں بننا ہے کہ بائبل کے مؤید بنیں اور منکر اس کے بنیں جو بائبل میں خدا کی طرف منسوب کر کے داخل کیا گیا ہے اور اسے کھول کے دکھا دیں اور قرآن کی مدد سے بتائیں کہ بائبل جھوٹی نہیں بلکہ سچی کتاب ہے، تم جھوٹے ہو جس نے بائبل کو سمجھا نہیں۔ تو اس پہلو سے بائبل کی بھی تو تفسیر کریں کیونکہ انہوں نے جو تفسیریں لکھی ہیں وہ ساری اندھی ہیں۔ بائبل کی تفسیریں بھی اندھی لکھی ہیں تو یہ قرآن کی تفسیریں کیسے روشنی والی لکھ دیں گے۔ تو یہ سفر جب شروع کیا تو جیسا میں نے بیان کیا ہے دو تین معین راہیں تھیں جن کی منزل سامنے تھی اور اس سفر کے دوران ہر راہ میں سے اتنی شاخیں پھوٹنی شروع ہوئیں کہ آگے پھر اور مزید، اور مزید اور اس کے علاوہ کچھ اور بھی چاہئیں اور جو سفر پہلے شروع کیا گیا تھا اب اس کے محدود دائرے میں ہی بے شمار لامحدود باتیں اور دکھائی دینے لگیں۔ تو اب پھر ہم نے مختلف ملکوں پہ ٹیمیں پھیلا دیں اور اب ان ٹیموں کے سپرد جو کام کئے جا رہے ہیں وہ بھی ہاتھ سے نکلتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ باسط احمد ہمارے یہاں انچارج ان کو بنایا گیا ہے، شیخ مبارک احمد صاحب کے صاحبزادے، بڑی محنت اور بڑے خلوص کے ساتھ، بڑی حکمت کے ساتھ وہ ٹیموں کو تیار کر رہے ہیں۔ ایک مسئلے کے اوپر میں نے ان سے کہا کہ آپ کی ٹیم آئے اور مجھ سے دوبارہ گفتگو کرے میں آپ کو بتاؤں گا کہ یہ خطوط نہیں بلکہ ان خطوط پر بات ہونی ہے۔ دو تین اجلاسوں کے بعد انہوں نے ہاتھ اٹھا لئے۔ انہوں نے کہا جواب آپ نے باتیں بتائی ہیں یہ تو ہم تین چار کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ میں نے کہا پھر ٹیمیں بناؤ۔ میں نے کب کہا ہے نہ بناؤ۔ تو یہ خدا کے نور کی مثال ہے یعنی اس نور نے جب ہر چیز پیدا کی اور ہر چیز کی کنہ وہ ہے تو اگر وہ لامحدود ہے تو اس کی تخلیق میں بھی لامحدودیت کی جھلکیاں آپ کو ضرور دکھائی دیں گی اور ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرے میں بھی خدا کا سفر اس نور کے حوالے سے کریں جو اس نے پیدا کیا ہے تو وہ لامتناہی ہو جائے گا۔ ورنہ یہ سمجھنا پڑے گا کہ ایک مقام پر آ کر آپ کھڑے ہو جائیں اور کہیں کہ اس سے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔

وہ مقام جس مقام تک مخلوق پہنچی ہے اس کا آخری کنارہ جہاں پہنچا جا سکتا تھا وہ وہ کنارہ ہے جو معراج کی رات آنحضرت ﷺ کو دکھائی دیا اور اس سے آگے انسانی استعداد کا سفر ختم ہوا ہے۔ خدا کا نور ختم نہیں ہوا۔ **یہ مضمون سمجھیں تو پھر توحید قائم رہتی ہے ورنہ شرک شروع ہو جائے گا۔ پس ہمیں بھی آنحضرت ﷺ کی سمت میں سفر کرنا ہوگا۔ آپؐ کو معبود اور مقصود بنا کر نہیں بلکہ معبود اور مقصود کی طرف لے جانے والا سمجھتے ہوئے۔ قبلہ بناتے ہوئے نہیں بلکہ قبلہ نما بناتے ہوئے۔ جس قبلے کی طرف آپؐ کا رخ ہمیشہ رہا آپ ﷺ سے اس رخ کے انداز کو سمجھتے ہوئے اس رخ کی تعین کے گر آپؐ سے سیکھتے ہوئے، آپؐ کے پیچھے چل کر، آپؐ کی پیروی کرنا اس غرض سے ہو کہ آپؐ کے معبود کی پیروی ہو گی۔ جس معبود سے آپؐ نے سب فیض پایا ہم بھی اسی معبود تک پہنچنے کا یہ ذریعہ اختیار کرتے ہیں۔**

یہ جب میں بات کہتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ذاتی تعلق ختم ہو رہا ہے اور ایک قسم کا میکانکی یعنی مکینیکل سا تعارف بن گیا ہے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کیونکہ انسان جس سے فیض پاتا ہے اس سے رسمی تعلق رہ ہی نہیں سکتا۔ اس سے بے ساختہ قلبی تعلق قائم ہوتا ہے۔ پس توحید کے حوالے سے جب میں بات کروں تو شاید آپ میں سے بعضوں کو کچھ اور بات سمجھ آئے۔ اگر اس حوالے سے بات کروں جس سے میں نے بات شروع کی تھی تو پھر جو بات سمجھ میں آتی ہے وہی اصل حق ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سمت میں سفر خدا کو پانے کے لئے ہے اور جتنا آپ قدم اس سمت میں آگے بڑھاتے ہیں خدا آپ کو ملتا چلا جاتا ہے۔ پس خدا کوئی ایسی چیز نہیں جو اس سے پرے کہیں آخر پر جا کر ملے۔ ہر قدم پر ملتا ہے اور اس کا قرب محسوس ہوتا ہے اور جب ملتا ہے تو بے ساختہ دل سے یہ دعا اٹھتی ہے کہ:

> مصطفیٰؐ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت
> اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے　　(درثمین: 16)

یہ ہے وہ تعلق باللہ جو شرک سے پاک ہے۔ یہ عشق محمد مصطفیٰ ﷺ ہے جو ہر قسم کے شرک کی ملونی سے پاک ہے۔ یہی ہے جو پاکیزگی بخشنے والا اور یہی ہے جو اپنے ساتھیوں کو نور بنانے والا تعلق ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین